جناب فرحت اللہ بابر کے خیالات آئی پی ایس کی کتاب - Foreign Policy Debate The years ahead سے ماخوذ ہیں' جبکہ باقی تین حضرات نے اپنے ان خیالات کا اظہار سینیٹ کی فارن ریلیشنز کمیٹی کے سامنے کیا۔ (مدیر)

۱۔ آغا شاہی

سابق وزیر خارجہ پاکستان

پاک امریکہ تعلق میں مد و جزر

پاک امریکہ تعلقات میں نئے رجحانات کا آغاز ۱۹۹۰ء میں اس وقت ہوا جب صدر بش نے پاکستان کے پاس ایٹم بم نہ ہونے کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۸۲ء سے ملنے والی ۶۰۰ ملین ڈالر کی سالانہ فوجی اور اقتصادی امداد بند ہو گئی۔ تعلقات کشیدہ اس لیے ہو گئے ہیں کہ پاکستان نے اس بات سے انکار کر دیا ہے کہ وہ عدم پھیلاؤ معاہدہ (NPT) پر یک طرفہ دستخط کر دے' اور' بھارت کرے یا نہ کرے' اپنی ایٹمی صلاحیت منجمد کر دے بلکہ ختم ہی کر دے۔ یورینیم افزودگی کے پروگرام کو ۱۹۸۹ء میں معطل کر دیا گیا' لیکن اس سے امریکہ کی تشفی نہ ہوئی۔ وہ اس کا خاتمہ چاہتا ہے۔ اب پریسلر ترمیم لاگو ہے اور ہم ان ایف۔۱۶ طیاروں سے محروم ہیں جن کی قیمت ہم ادا کر چکے ہیں۔ وزیر اعظم کے دورے سے کچھ بہتری کی امید ہوئی ہے لیکن طیاروں کی فراہمی یا مکمل رقم کی واپسی کا امکان کم ہی ہے۔

امریکہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے کہ پاکستان کا نیوکلیر پروگرام بھارت سے تین جنگوں کے پس منظر میں ہماری سلامتی کے لیے ناگزیر ہے۔ بھارت کی فوجی برتری ہماری سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ پریسلر ترمیم نے ہمارے روایتی دفاع کی صلاحیت کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس لیے ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ آخری چارہ کار کے طور پر ایٹمی صلاحیت کو ترقی دیں۔ ہمارے لیے اس کا جواز بھارت یا اسرائیل سے کہیں زیادہ ہے جو اپنے پڑوسیوں پر فوجی برتری رکھتے ہیں۔

پاکستان کو اب یہ توقع نہیں کرنا چاہیے کہ ماضی کی سرد جنگ کے دوران یا ۸۰ کے عشرے میں افغانستان کے حوالے سے پائے جانے والے تعلقات دوبارہ قائم ہوں گے۔ روسی سلطنت کے زوال کے بعد جنوبی ایشیا کی صورت حال میں جو تبدیلی آگئی ہے' اس کے بعد اس کا کوئی امکان نہیں' خصوصاً اس لیے کہ صدر کلنٹن "بھارت سے بہتر' مضبوط تر اور وسیع ترین تعلقات" کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ امریکہ سلامتی کونسل میں بھارت کی مستقل نشست کی کوشش کی حمایت کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اسٹرے ٹیجک شراکت قائم کرنے کی فکر میں ہے۔ ہمیں امریکہ سے' اس کی اسرائیل اور ایران

پالیسیوں کے پیش نظر کم تر سطح کے تعلقات پر راضی ہونا ہو گا۔ ماضی میں جب ہمارے امریکہ سے خصوصی تعلقات تھے ' امریکی پالیسیوں کی وجہ سے ان تعلقات میں اتار چڑھاؤ کے دور آتے رہے ہیں اور پاکستان ان کا عادی ہو گیا ہے۔ ہندستان کو بھاری اقتصادی امداد اور چین کے ساتھ جنگ کے دوران زبردست فوجی سازوسامان کی فراہمی ' ۱۹۶۵ کی جنگ میں پاکستان کی امداد پر بندش ' ۱۹۷۱ کی جنگ میں پاکستان کی امداد سے دست کشی ' ۱۹۷۸ میں فرانس پر دباؤ ڈال کر ایٹمی پلانٹ کی منسوخی ' ۱۹۷۹ میں تمام امداد کا انقطاع ' افغانستان کی جنگ ختم ہوتے ہی پریسلر ترمیم کا اطلاق --- امریکہ کی بدلتی ہوئی روش کے چند مظاہر ہیں۔ اس لیے اس کا حالیہ مخالفانہ انداز ہمارے لیے تعجب کا باعث نہیں ہونا چاہیے۔ اگرچہ اب وہ جو سزا دے رہا ہے وہ ماضی کی نوازشات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

پاکستان کو ایک خطرناک صورت حال کا سامنا ہے۔ ایک طرف اگر وہ واحد سپر طاقت سے قریبی تعلقات قائم کرنا چاہے تو اسے اپنی سلامتی کو قربان کرنا ہو گا ' اور ایٹمی صلاحیت کو لپیٹ کر رکھ دینا ہو گا۔ دوسری طرف اسے سپرپاور کی طرف سے شدید اقدامات کا خطرہ ہے۔ میرے خیال میں اسے اپنی سلامتی کو اور علاقائی تعلقات کو ترجیح دینا چاہیے۔ نئے بین الاقوامی نظام میں اجتماعی سلامتی کی کوئی ضمانت نہیں ہے ' اور اگر بھارت ایٹمی حملہ کرے تو کسی ایٹمی طاقت سے مدد کی قابل اعتماد ضمانت بھی نہیں ہے ' اس لیے پاکستان کو اپنی سلامتی کے لیے خود اپنے اوپر ہی انحصار کرنا ہے۔ یہی ہمارے ایٹمی پروگرام کی حقیقی اہمیت ہے۔ اس لیے اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہم نے ایٹمی متبادل کو یک طرفہ ترک کر دیا ' یا یک طرفہ منجمد کر کے اسے مجروح کر لیا تو پاکستان کی سلامتی سخت خطرے میں پڑ جائے گی۔

یورینیم کی پیداوار کا انجماد

جنیوا میں تخفیف اسلحہ کانفرنس میں ایٹمی دھماکے کی صلاحیت رکھنے والے افزودہ یورینیم اور پلوٹینیم کی پیداوار کے مکمل انقطاع پر مذاکرات جاری ہیں۔ ۲ ' ۳ سال بعد جب معاہدہ نافذ ہو گا تو اس وقت جو قابل انشقاق مواد موجود ہوں گے ' وہ اس کی زد میں نہیں آئیں گے۔ بھارت ' اسرائیل اور پاکستان جنھوں نے این پی ٹی پر دستخط نہیں کیے ہیں ' اس وقت اپنے پاس موجود مواد سے بم بنانے کے لیے آزاد ہوں گے۔ اگر ہماری افزودگی کی صلاحیت ۱۹۸۹ کی سطح پر منجمد رہتی ' جو ہم کر چکے ہیں تو اس وقت بھارت کا ذخیرہ ہم سے ۲ گنا یا اس سے بھی زائد ہو گا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ کنونشن سے امریکہ کا اصل مقصد بڑی طاقتوں کے اسلحے کی روک تھام نہیں ' بلکہ اسرائیل ' بھارت اور پاکستان پر قدغن لگانا ہے۔ امریکہ کو اسرائیل سے تو کچھ کہنا نہیں ہے ' اس لیے بھارت اور پاکستان رہ جاتے ہیں۔ امریکہ دونوں

ملکوں سے اس سلسلے میں یک طرفہ اقدامات کا تقاضا کرتا رہا ہے۔ ہم ۱۹۸۹ میں 'پابندی کی تاریخ سے کئی برس پہلے ہی 'امریکہ کے دباؤ میں آکر اپنا پروگرام منجمد کر چکے ہیں۔ جب کہ بھارت نے امریکی دباؤ کا مقابلہ کیا ہے' اور وہ ہر سال ۲۵ بموں کی صلاحیت پیدا کر رہا ہے۔ ۱۹۸۹ میں ہمارے پاس ایک بم کی صلاحیت تھی تو اس کے پاس چھ کی تھی۔ ۹۷-۱۹۹۶ میں اس کے پاس ۲۰۰ بموں کی صلاحیت ہوگی' جبکہ ہمارے پاس وہی ۱۰ کی رہے گی 'کیونکہ پاکستان اپنی پیداوار منجمد کر چکا ہے۔

یہ صورت حال بھارت کے پرتھوی میزائل کے مقابلے میں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کی استعداد بلکہ بقا تک کو مشکوک بنا دے گی۔ بھارت نے پاکستان کی تمام اہم دفاعی صنعتی اور ترقیاتی تنصیبات کو نشانہ بنانے کے لیے کم سے کم ۱۰۰ ایسے میزائل تیار کرنے کا ہدف پہلے ہی طے کر لیا ہوگا۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ پاکستان یورینیم افزودگی کے پروگرام پر عمل کا دوبارہ آغاز کر دے تاکہ عالمی پابندی سے پہلے پہلے ہم بھارت کے مقابلے میں اپنا فرق کم سے کم کر سکیں۔ امریکہ ہماری توانائی کے شعبے میں یا دوسرے منصوبوں میں کتنا ہی سرمایہ لگائے 'ہمیں کچھ روایتی اسلحہ فروخت کرنے پر آمادہ ہو جائے 'کوئی بات بھی ایٹمی پروگرام کو منجمد رکھنے کی 'بجا اس کو پیچھے لے جانے یا ختم کرنے کی قیمت نہیں ہو سکتی۔

پاکستان کے لیے لازم ہے کہ وہ ایٹمی مواد کی پیداوار کے انقطاع کے معاہدے کی اصل شکل واضح ہونے تک دستخط کرنے کا پہلے سے ہرگز وعدہ نہ کرے۔ بھارت اور پاکستان دونوں ہی اصولی طور پر انقطاع کے پابند ہیں 'لیکن اصل کھیل تفصیلات میں ہے۔ بھارت کسی وقت بھی اپنے ایٹمی پلانٹ (۵ ریسرچ ری ایکٹر' ۳ پلوٹونیم پلانٹ' ۱۰ نیوکلیر پاور پلانٹ) بین الاقوامی نگرانی میں نہ دینے کی پالیسی طے کر سکتا ہے۔ ہم نے اس سے پہلے یک طرفہ وعدہ کر کے اپنے ہاتھ باندھ لیے 'تو ہمارا واحد کہوٹہ پلانٹ اس نگرانی کا شکار ہو جائے گا۔

پاکستان کو اپنی ایٹمی پالیسی بھارت کی ایٹمی پالیسی کی مناسبت سے مرتب کرنا چاہیے۔ جنوبی ایشیا کے حوالے سے deterance کی اہمیت ہے۔ اس کا مشاہدہ گذشتہ ۴۰ سال میں مشرق اور مغرب کے تعلقات میں ہو چکا ہے۔ جنوبی ایشیا میں اس کا کردار لڑائی لڑنے کا نہیں 'بلکہ اس سے بچانے کا ہے۔ پہلے نقطہ نظر سے ایٹمی اسلحے کے انبار لگانا ہوں گے جب کہ دوسرے کے مطابق 'کم سے کم سطح پر برابری کی صلاحیت کا حصول جنگ سے محترز رکھے گا اور روایتی اسلحے کی تخفیف اور سیاسی تعلقات کی بحالی میں بھی کردار ادا کرے گا۔

میزائلوں نے حملے کا پہلے سے انتباہ کا دورانیہ چند منٹ کا کر دیا ہے۔ بھارت اور پاکستان کو اپنے اسلحے کو ایٹمی بنانے اور میزائل نصب کرنے کے بارے میں نہایت سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہیے۔

یہاں بھی کلید بھارت کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ایسی کوئی علامت نہیں جس سے اس کی جانب سے مثبت ردعمل کی توقع ہو۔

ایٹمی اسلحے میں برابری کے مسائل کے ساتھ ساتھ ختم دینے' رابطہ کرنے اور کنٹرول سی۔۳ کے مسائل بھی کسی تاخیر کے بغیر غور و فکر کے مستحق ہیں تاکہ دونوں فریق کسی غلطی یا حادثے کی وجہ سے جنگ میں نہ الجھ جائیں۔ اسی طرح بہت سے دوسرے مسائل ہیں جنھیں اب نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ جتنی جلدی دونوں حکومتیں ان کو طے کرلیں' اتنا ہی ان کے عوام کے لیے اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک کے عوام کے لیے بہتر ہو گا۔

۲۔ جنرل (ر) خالد محمود عارف

سابق ڈپٹی چیف آف آرمی سٹاف

تمہید

بنیادی بات یہ ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کو پاکستانی عوام کی امنگوں اور ان کی ethos کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔

ظاہر ہے کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی ان ملکوں کے دباؤ سے آزاد نہیں ہو سکتی جو اس کے ذریعے اپنے مفادات کا حصول چاہتے ہیں۔ لیکن داخلی طور پر متحد اور معاشی طور پر خوشحال ممالک اس قسم کے دباؤ کا مقابلہ کامیابی سے کر سکتے ہیں' جبکہ ترقی پذیر ممالک مزاحمت کی زیادہ طاقت نہیں رکھتے' خصوصاً پاکستان کی سیاسی محاذ آرائی اور داخلی صورت حال اسے زیادہ ہی کمزور کر رہی ہے۔ جتنا ملک کمزور ہو گا بیرونی دباؤ کا اتنا ہی آسانی سے شکار ہو گا۔ خوشنما اعلانات سے سیاست میں کام چل سکتا ہے' لیکن دفاعی صلاحیت کے بارے میں اس طرح کے اعلانات کے پس پشت متناسب قوت موجود نہ ہو تو اس سے عوام میں سلامتی کا جھوٹا احساس پیدا ہوتا ہے۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ملک کی سلامتی' مسئلہ کشمیر' نیوکلیر مسئلے اور معاشی ترقی جیسے نازک اور اہم مسائل پر قومی اتفاق رائے موجود ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہم اس اتفاق سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے اپنے فوری مفادات کی خاطر افتراق کا شکار ہیں۔ اسی حکومت اور حزب اختلاف کی محاذ آرائی کی وجہ سے ان اہم قومی امور پر معروف جمہوری طریقے کے مطابق کمیٹیوں کے ذریعے مناسب حکمت عملی کا تعین اور اس پر اشتراک عمل تک مفقود ہے۔